عورت کی حکمرانی اور علامہ محمد اقبالؒ

مدیر کے قلم سے

ان دنوں قومی اخبارات میں "عورت کی حکمرانی" کے بارے میں بحث کا سلسلہ چل رہا ہے اور عورت کی حکمرانی کے جواز اور عدم جواز پر دونوں طرف سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔

جو حضرات عورت کی حکمرانی کو شرعاً جائز نہیں سمجھتے وہ اپنے موقف کے حق میں قرآن کریم کی آیت کریمہ "الرجال قوامون علی النساء" کے علاوہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات اور امت کا چودہ سو سالہ اجتماعی تعامل پیش کر رہے ہیں جبکہ جواز کے قائل حضرات قرآن و سنت کے ارشادات کی تاویلات کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے چند جزوی واقعات اور بعض اہل علم کے انفرادی اقوال کا سہارا لے رہے ہیں۔

اس بحث کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اور کیا امت مسلمہ کے اہل علم اس بحث کی روشنی میں اپنے چودہ سو سالہ اجتماعی موقف اور تعامل سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو جائیں گے؟ اس کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی سردست ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن اس ضمن میں موقر قومی روزنامہ جنگ کے محترم کالم نگار جناب عبداللطیف سیٹھی نے جنگ لاہور ۱۲ جون ۹۲ء میں مطبوعہ کالم کے ذریعہ اس بحث کو ختم کرنے کی جو تجویز پیش فرمائی ہے اس کا جائزہ لینا بہرحال ضروری ہے۔

جناب سیٹھی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ عورت ایک اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ نے کسی جگہ تحریر کر دیا ہے کہ عورت بطور خلیفہ منتخب ہو سکتی ہے اس کے ساتھ سیٹھی صاحب کا یہ بھی ارشاد ہے کہ چونکہ علماء کی اکثریت نے پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں حصہ نہیں لیا تھا اور پاکستان ان کی مرضی کے خلاف علامہ اقبالؒ کی سوچ کے مطابق بنا ہے اس لیے پاکستان میں دین کی وہی تشریح قابل قبول ہوگی جو علامہ اقبالؒ نے کی ہے چنانچہ اس پس منظر میں عبداللطیف سیٹھی صاحب نے فرمایا ہے کہ

> "حضرت حکیم الامت نے اپنی ایک انگلش تحریر میں فرمایا تھا کہ عورت بطور خلیفہ الیکش میں منتخب ہو سکتی ہے اس سے زیادہ صاف الفاظ میں یہ بات اب نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ پر اب بحث ختم ہونی چاہیے آخر کسی ایک کو اتھارٹی تو ماننا ہی پڑے گا اور اقبالؒ سے بڑی اسلامی امور پر اندریں زمانہ کوئی اتھارٹی نہیں ہو سکتی"

جہاں تک قیام پاکستان کی جدوجہد کا تعلق ہے جناب عبداللطیف سیٹھی اور ان کے ہمنوا ایک عرصہ سے رائے عامہ کو یہ مغالطہ دینے کی مسلسل کوشش کر رہے ہیں کہ علماء کی اکثریت نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی جبکہ یہ بات تاریخی حقائق اور واقعات کے یکسر منافی ہے اور اس کو بار بار دہرائے چلے جانے کا مقصد تاریخ کے ریکارڈ کو خراب کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ علماء کی ایک بڑی جماعت جمعیت العلماء ہند اور اس کے ساتھ مجلس احرار اسلام نے بھی تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی اور انہیں اس مخالفت پر آج بھی کوئی ندامت نہیں ہے کیونکہ جن خدشات و شبہات کی بنیاد پر وہ قیام پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے قیام پاکستان کے بعد کی پینتالیس سالہ تاریخ نے ان میں سے کسی ایک کی بھی نفی نہیں کی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کی بڑی بڑی جماعتیں اور اکابر علماء قیام پاکستان کی جدوجہد میں عملاً" شریک بھی رہے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا اطہر علیؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مولانا عبدالحامد بدایونیؒ' پیر صاحب مانکی شریفؒ اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ میں سے کس بزرگ کی خدمات کی تحریک پاکستان سے نفی کی جاسکتی ہے ان میں سے بعض بزرگ تو وہ ہیں جن کی شبانہ روز محنت کے بغیر مسلم لیگ صوبہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم جیتنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی ان اکابر علماء کے ساتھ علماء اور کارکنوں کی ایک کھیپ تھی جس نے ہر جگہ قیام پاکستان کے لیے انتھک محنت کی اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تحریک پاکستان کا اسلامی اور نظریاتی تشخص ان علماء اور کارکنوں کی وجہ سے ہی عام مسلمانوں کے ذہنوں میں قائم ہوا ورنہ تحریک پاکستان کی اصل قیادت کے ذہنی رجحانات اور نظریاتی اعتبار کے بارے میں تو مسلم لیگی راہ نماؤں جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ' جناب سردار شوکت حیات اور جناب راجہ صاحب محمود آباد کے ان اعترافات کے بعد کسی تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ قیام پاکستان کا مقصد صرف ہندوؤں کے معاشی تسلط سے نجات حاصل کرنا تھا جبکہ اسلامی نظام اور لا الہ الا اللہ کا نعرہ عام مسلمانوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے لگایا گیا تھا اس لیے محترم جناب عبداللطیف سیٹھی صاحب اور ان کے ہمنواؤں سے بصد احترام گزارش ہے کہ وہ اب آنکھیں کھول کر ارد گرد کے تاریخی حقائق کا ادراک کریں اور علماء کی اکثریت پر تحریک پاکستان کی مخالفت کا بے بنیاد الزام دہراتے چلے جانے کی بجائے حقائق کو تسلیم کرنے کی روش اختیار کریں آخر جب بانی پاکستان نے قیام پاکستان کے موقع پر پاکستان کا قومی پرچم کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں لہرا کر تحریک پاکستان میں علماء کے کردار کا عملاً" اعتراف کر لیا تھا تو قائد اعظم مرحوم کے نام کی مالا جپنے والے ان قلمکاروں کو اس قدر واضح حقیقت کے تسلیم کرنے میں کونسا حجاب مانع ہے رہی یہ بات کہ چونکہ علامہ محمد اقبالؒ نے فرما دیا ہے کہ عورت خلیفہ منتخب ہو سکتی ہے اس لیے اس بات کو آخری سمجھا جائے اور عورت کی حکمرانی کی بحث کو ختم کر دیا جائے تو میں یہ بات دو ٹوک اور واضح الفاظ میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس بات سے نہ صرف یہ کہ کلیتا" انکار ہے بلکہ ہم اسے دوبارہ سننے کے بھی روادار نہیں ہیں اس لیے کہ دین میں آخری بات صرف اور صرف جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اس ذات گرامی کے بعد پوری امت میں کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کی بات کو صرف اس لیے آخری اور حتمی قرار دے دیا جائے کہ چونکہ انہوں نے یہ بات کہہ دی ہے اس لیے بات ختم اب کسی اور بحث کی گنجائش نہیں رہی جناب عبداللطیف سیٹھی کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت حنفی فقہ کی پیروکار ہے خود علامہ محمد اقبالؒ فقہی امور میں حنفی فقہ کے پیروکار تھے اور انہوں نے

وصیت نامہ میں اپنے فرزند کو حنفی فقہ کی پیروی کی تلقین بھی فرمائی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہونے اور کہلانے کے باوجود امام اعظمؒ کی ہر بات کو صرف اس لیے تسلیم نہیں کر لیتے کہ چونکہ یہ بات امام صاحبؒ نے فرما دی ہے اس لیے حرف آخر ہے اہل علم احناف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اقوال پر بحث کرتے ہیں شرعی دلائل کی روشنی میں ان کا جائزہ لیتے ہیں اور سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن میں احناف دلائل کی بنیاد پر امام صاحبؒ کے قول کی بجائے ان کے تلامذہ میں سے کسی کے قول کو قبول کرتے ہیں اس لیے جب "حرف آخر" کی حیثیت جناب امام اعظم ابو حنیفہؒ کو حاصل نہیں ہے جو خود علامہ اقبالؒ کے بھی امام ہیں تو علامہ اقبالؒ کی اس حیثیت کو آخر کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ حرف آخر کی حیثیت صرف پیغمبر کی ہوتی ہے جس کے علم کا سرچشمہ وحی الٰہی ہوتی ہے اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد نہ کسی شخصیت کے لیے نبوت اور وحی تسلیم کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی کی بات کو حرف آخر کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کی قومی خدمات امت کے مسائل پر ان کی گہری نظر اور ملت کی بہتری کے لیے ان کے جذبات و احساسات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن ان کی شخصیت اور خدمات کے تمام تر اعتراف کے باوجود شرعی معاملات میں ان کے اقوال و ارشادات کو اسی طرح شرعی دلائل کی روشنی میں پرکھا جائے گا جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام حسنؒ، امام زفرؒ اور دوسرے ائمہ کے اقوال و ارشادات کو پرکھا جاتا ہے اور جو بات بھی شرعی دلائل کے معیار پر پوری نہیں اترے گی اسے قطعی طور پر رد کر دیا جائے گا اس میں نہ علامہ اقبالؒ کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہے اور نہ ہی پاکستان کے قیام میں ان کے قائدانہ کردار پر کوئی حرف آتا ہے یہ علمی مسائل ہیں جہاں علمی اصول و ضوابط ہی کی فرمانروائی ہے انہیں سیاسی طعن و تشنیع اور الزام تراشی کی زبان میں حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ الجھنیں ضرور پیدا ہوں گی جن سے پریشان ہو کر عبداللطیف سیٹھی صاحب عورت کی حکمرانی کی بحث کو ختم کرنے کے لیے بے چین ہیں۔

ان گزارشات کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ کیا شرعاً عورت کسی اسلامی ملک کی سربراہ بن سکتی ہے؟ جناب عبداللطیف سیٹھی یا ان کے بقول علامہ محمد اقبالؒ کا ارشاد ہے کہ "عورت خلیفہ منتخب ہو سکتی ہے" مگر اس دعویٰ پر کوئی شرعی دلیل ان کی طرف سے پیش نہیں کی گئی اور جب ہم اپنے طور پر شرعی دلائل پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تمام مسلمہ شرعی دلائل اس دعویٰ کے خلاف دکھائی دیتے ہیں شرعی دلائل مسلمہ طور پر چار ہیں ۱۔ قرآن پاک ۲۔ سنت رسول ۳۔ اجماع امت ۴۔ قیاس و اجتہاد

قرآن کریم: خلافت کا معنی نیابت ہے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور نسل انسانی میں اللہ تعالیٰ کی نیابت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس رہی ہے جو مذہبی مقتدا ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی امت کے حکمران بھی تھے جیسا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں فرمایا بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت انبیا علیہم السلام کے ہاتھ میں رہی ہے جب ایک نبی دنیا سے چلا جاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ آجاتا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا البتہ میرے بعد

خلفاء ہوں گے"۔ (بخاری)

گویا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو اسی سلسلہ نیابت کی ایک کڑی قرار دیا ہے جو پہلے انبیاء کرام علیہم اسلام کے پاس تھا اور اب نبوت کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد خلفاء کے حصہ میں آگیا ہے اور قرآن کریم میں رب العزت نے صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے کہ

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم (سورۃ النحل)

اور ہم نے آپؐ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے

جب نبوت اور حکمرانی یکجا ہیں اور خلافت دراصل نبوت ہی کی نیابت کا نام ہے تو جو شرط اللہ رب العزت نے نبوت کے لیے لازمی قرار دی ہے وہ لامحالہ نیابت کے لیے بھی لازمی متصور ہوگی اس طرح اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے کہ

الرجال قوامون علی النساء (سورۃ النساء)

مرد عورتوں پر حکمران ہیں ان دو واضح آیات کے مقابلہ میں عورت کی حکمرانی کے جواز کے قائلین ملکہ بلقیسؓ کی حکمرانی کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بلقیسؓ نامی محترمہ خاتون سبا کی حکمران تھیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں لیکن اس واقعہ سے استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کریم نے یہ صراحت نہیں کی کہ ملکہ بلقیسؓ حضرت سلیمان علیہ اسلام پر ایمان لانے کے بعد بھی سبا کے علاقہ کی حکمران رہیں بلکہ ملکہ بلقیسؓ کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا یہ جملہ غور طلب ہے کہ

الا تعلوا علی واتونی مسلمین (سورۃ النمل)

مجھ پر سرکشی نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار ہو کر آجاؤ

اس کے بعد ملکہ بلقیسؓ کے مسلمان ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس نے فرمانبرداری قبول کر لی تھی اس لیے قبول السلام کے بعد اس کے حکمران باقی رہنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

سنت نبویؐ: اس بارے میں احادیث کی مختلف کتابوں میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات منقول ہیں مثلاً"

(۱) ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ (بخاریؒ شریف)

وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا حکمران عورت کو بنا لیا

(۲) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

جب تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو تمہارے لیے موت زندگی سے بہتر ہے (ترمذیؒ)

(۳) تیسرا ارشاد نبویؐ ہے کہ

ھلکت الرجال حین اطاعت النساء (مستدرک حاکمؒ)۔

مرد عورتوں کی اطاعت قبول کریں گے تو ہلاکت میں پڑیں گے

(۴) ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ

لا یقدس اللہ امتہ قادتہم امراءۃ (مجمع الزوائد)

جس قوم کی قیادت عورت کر رہی ہو اللہ تعالیٰ اسے پاکیزگی عطاء نہیں فرماتے(۵) ایک اور مقام پر ارشاد رسولؐ یوں ہے کہ

ما افلح قوم قیمہم امراءۃ (النہایہ)

وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی جس کی حکمرانی عورت کر رہی ہو

(۶) ایک جگہ یہ ارشاد یوں منقول ہے کہ

لن یفلح قوم تملکہم امراءۃ (مسند احمد)

"وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس کی حکمرانی عورت کر رہی ہو"

(۷) ایک مقام پر یہ ارشاد نبویؐ یوں روایت کیا گیا ہے کہ

لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امراءۃ (ابوداؤد)

"وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنا معاملہ عورت کے حوالے کر دیا"

(۸) ایک مقام پر یہ روایت یوں نقل کی گئی ہے کہ

لن یفلح قوم تملک راءیہم امراءۃ (مجمع الزوائد)

"وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس کی رائے کی مالک عورت ہو جائے"

یہ روایات حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت جابر بن سمرہؓ سے منقول ہیں ان میں سے ایک روایت بخاری میں ہے جبکہ تیسرے نمبر پر بیان ہونے والی روایت کو امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے سند کے لحاظ سے صحیح قرار دیا ہے اس کے بعد باقی روایات کے بارے میں چھان بین کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی اور ان ارشادات نبوی علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم حکمرانی کے منصب کو عورت کے لیے مناسب اور جائز قرار نہیں دیتے سنت نبویؐ کے ضمن میں "عورت کی حکمرانی" کے جواز کے قائلین کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ کھینچ تان کے حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت ڈھونڈ کر لائے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز کی امامت کرانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی چنانچہ محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اور ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کے حوالے سے گزشتہ دنوں اس روایت کی وسیع پیمانے پر تشہیر کرائی گئی لیکن یہ روایت بھی ان کے مفید مطلب نہیں نکلی اس لیے کہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے خود اس سلسلہ میں جو روایت منقول ہے اس میں صراحت ہے کہ

کانت تؤم المومنات المہاجرات (دارقطنیؒ)

وہ مومن اور مہاجر خواتین کی امامت کیا کرتی تھیں

اور کسی عورت کا خواتین کی امامت کرنا ایسا واقعہ نہیں ہے جس سے عورت کی حکمرانی کے جواز پر

استدلال کیا جاسکے سوال یہ ہے کہ کسی خاتون نے کسی نماز میں مردوں کی بھی امامت کی ہو اس کے ثبوت میں کوئی بھی صریح روایت پیش نہیں کی جاسکی پھر صحابہ کرامؓ کا عمل بھی اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ اگر فی الواقع جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاتون کو مردوں اور عورتوں کا مشترک امام مقرر کیا ہے تو جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم صرف ام ورقہؓ تک محدود نہیں رہنا چاہیے اور اس کی کوئی اور نظیر بھی ضرور ملنی چاہیے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے تیس سالہ دور بلکہ صحابہ کرامؓ کے ایک صدی پر محیط دور میں اس کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی اور نہ ہی بعد میں کسی مجتہد اور فقیہ نے اس کو سنت نبوی تسلیم کرکے عورت کی امامت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس لیے ام ورقہؓ کی روایت سے عورت کی حکمرانی کے جواز پر استدلال صرف ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کے ذہن کی اختراع ہے جسے ان کے دیگر تفردات کے ساتھ طاق نسیاں کی نذر ہو جانا چاہیے۔

اجماع امت: کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کے بعد شرعی دلائل میں تیسرا نمبر اجماع امت کا ہے اور اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ اجتماعی تعامل عورت کی حکمرانی کے جواز کی نفی کرتا ہے خلافت راشدہ اور اس کے بعد تینوں خلافتوں خلافت امویہ' خلافت عباسیہ اور خلافت عثمانیہ میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ عورت کو بطور خلیفہ تسلیم کیا گیا ہو یا کم از کم اس کا مطالبہ ہی کیا گیا ہو صرف خلافت عباسیہ کے دور میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ مصر میں "شجرۃ الدر" نامی ایک خاتون کو مصر کا حکمران بنایا گیا لیکن خلیفہ وقت ابو جعفر مستنصر باللہ" کی مداخلت اور تنبیہہ پر اسے اس منصب سے الگ کر دیا گیا اور خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے تنبیہی خط میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد گرامی کا حوالہ دیا جو بخاری شریف کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکا ہے (اعلام النساء ج ۲ ص ۲۸۶)

امت کے چودہ سو سالہ عملی اجماع کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء کا قولی اجماع بھی اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ عورت کا بطور حکمران تقرر جائز نہیں ہے احناف" شوافع" مالکیہ" حنابلہ" ظاہریہ" اور اہل تشیع کے تقریباً" تمام قابل ذکر فقہاء نے اس امر کی صراحت کی ہے چنانچہ امام بغویؒ" شرح السنہ میں' امام ابوبکر بن العربیؒ" احکام القرآن میں' امام ولی اللہ دھلویؒ" حجتہ اللہ البالغہ میں' امام الحرمین الجوینیؒ" الارشاد میں اور امام ابن حزمؒ" مراتب الاجماع میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں عورت کی امامت و حکمرانی کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے اور دور حاضر کے معروف محقق الدکتور منیر العجلانی اس حقیقت کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ

فالاجماع فی ھذہ القضیتہ تام لم یشذ عنہ احد (عبقریتہ الاسلام)

اس مسئلہ پر اجماع اس قدر مکمل ہے کہ کوئی ایک بھی اس سے پیچھے نہیں رہا۔

جو حضرات عورت کی حکمرانی کے جواز کے قائل ہیں ان کے پاس اجماع کو توڑنے کے لیے اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے کہ رضیہ سلطانہ اور یمن کی کسی خاتون کی حکمرانی کا حوالہ دے کر یا بعض اہل علم کی طرف منسوب مرجوح اقوال کا سہارا لے کر زبان آوری کے زور سے عورت کی حکمرانی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں لیکن اس سے بات نہیں بنتی دلائل کا مقابلہ اسی سطح کے دلائل سے ہوتا ہے اور

دلائل کی بحث میں ہمیشہ دلیل کا وزن دیکھا جاتا ہے سوال یہ ہے کہ عورت کی حکمرانی کے عدم جواز پر جس سطح اور وزن کے دلائل موجود ہیں جواز کے قائلین اس سطح اور وزن کی کوئی ایک دلیل بھی اپنے حق میں لاسکے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً" نہیں ہے تو ہٹ دھرمی اور ضد کا فائدہ؟ اب اسی اجماع کو لے لیجیے ایک طرف امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ اجتماعی تعامل ہے اور تمام مکاتب فکر کے فقہاء کی واضح تصریحات ہیں اور دوسری طرف رضیہ سلطانہ اور یمن کی کسی گمنام خاتون کی حکمرانی کا جزوی اور شاذ واقعہ ہے اہل علم خود انصاف فرمائیں کہ اس قسم کے اکا دکا شاذ اور جزوی واقعات سے اجماع امت پر کوئی فرق پڑتا ہے؟

قیاس و اجتہاد: دلائل شرعیہ میں اجماع کے بعد قیاس و اجتہاد کا درجہ ہے اور بلاشبہ یہ بھی اپنے درجہ میں شرعی حجت ہے لیکن اجتہاد کی ماہیت ' اس کے دائرہ کار اور اس کی اہلیت کے بارے میں چند امور کی وضاحت ازحد ضروری ہے کیونکہ اجتہاد کا جو مطلب و مفہوم آج عام طور پر سمجھا جا رہا ہے شرعاً" اس پر اجتہاد کا اطلاق نہیں ہوتا اور شریعت نے اجتہاد کے کچھ اصول و ضوابط متعین کیے ہیں جن کا لحاظ قیاس اور اجتہاد کے نام پر کیے جانے والے ہر عمل میں لازما" کیا جائے گا

آج عام طور پر یہ سمجھا اور کہا جا رہا ہے کہ قرآن و سنت کے جس حکم پر عملدرآمد میں کوئی وقتی ' عارفی یا روایتی مشکل پیش آجائے علماء کرام باہم مشورہ کے ساتھ اس حکم کو ضرورت کے مطابق تبدیل کر دیں اس کا نام اجتہاد ہے۔

اجتہاد کا یہ مفہوم کوئی نیا نہیں ہے بنی اسرائیل کے ہاں یہی اجتہاد رائج تھا اور علماء بنی اسرائیل لوگوں کے مطالبات پر زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر شرعی احکام میں اسی قسم کی تبدیلیاں کیا کرتے تھے لیکن قرآن کریم نے اس عمل کو اجتہاد کی بجائے تحریف کا نام دیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کے جدت پسند لوگوں کے مطلبات اور مصلحت پسند علماء کی انہی کارروائیوں کے نتیجہ میں تورات' زبور اور انجیل اصلی شکل میں دنیا میں موجود نہیں رہی اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی پیش کردہ شریعتوں کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا اس کے برعکس جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کا جو تصور دیا ہے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یوں ہے کہ جس مسئلہ میں قرآن و سنت کا حکم واضح نہ ہو اس میں اہل علم قرآن و سنت کے اصولوں کی روشنی میں کوئی فیصلہ کرلیں یہ اجتہاد حق ہے اور کسی بھی دور میں اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا گیا لیکن جب نئے پیش آمدہ مسئلہ کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں کرنا ہے تو منطقی طور پر ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والا شخص یا افراد قرآن و سنت کی روشنی سے بہرہ ور ہوں اور قرآن و سنت اور ان کے متعلقہ علوم کی اس درجہ کی مہارت رکھتے ہوں کہ وہ ان کی روشنی میں مسائل و احکام کا استنباط کر سکیں گذشتہ دنوں محترم جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق دے دیا جائے اور قوم کے منتخب نمائندے مل بیٹھ کر اجتہادی امور پر فیصلہ دیں ہم نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ صرف ایک شرط کے ساتھ ہم اس تجویز کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے اجتہاد کی مطلوبہ اہلیت کو شرط قرار دے دیا جائے کیونکہ جس پارلیمنٹ

کی رکنیت کے لیے قرآن کریم کا ناظرہ پڑھ سکنا بھی شرط نہیں ہے اسے قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح اور اجتہاد کی ذمہ داری سونپ دینا قرآن و سنت کے ساتھ تو مذاق ہوگا ہی خود اس پارلیمنٹ کے ارکان پر بھی صریح ظلم ہوگا ہاں اگر الیکشن رولز میں ترمیم کرکے پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے اجتہاد کی اہلیت کو شرط قرار دے دیا جائے تو ہمیں پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق دینے اور اسے بخوشی تسلیم کرنے میں کوئی حجاب نہیں ہوگا اور پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے اجتہاد کی اہلیت کا معیار بھی ہم تجویز نہیں کرتے سپریم کورٹ ' وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل تینوں باوقار آئینی ادارے ہیں ان میں سے کسی ایک ادارے سے استصواب کرلیا جائے اور وہ اجتہاد کی اہلیت کے لیے جو معیار مقرر کرے اسے پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے شرط بنا دیا جائے اس اصولی اور ناگزیر منطقی تقاضے کو نظرانداز کر کے اجتہاد کے نام پر جو عمل کیا جائے گا وہ بنی اسرائیل کے عمل تحریف سے قطعاً" مختلف نہیں ہوگا اجتہاد کے بارے میں اس ضروری گزارش کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ اجتہاد و قیاس کے حوالے سے عورت کی حکمرانی کے مسئلہ کی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ عورت کی حکمرانی کے جائز نہ ہونے پر قرآن کریم کی جو آیات اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات پیش کیے جا رہے ہیں وہ واضح ہیں یا نہیں؟ اگر وہ واضح اور صریح ہیں تو پھر یہ مسئلہ اجتہاد کے دائرے میں نہیں آتا اور اجتہاد کے نام پر اس میں کسی ردوبدل کی حمایت علمی طور پر نہیں کی جاسکتی یہ بات پرکھنے کا ہمارے پاس پیمانہ بھی موجود ہے کہ امت مسلمہ اور اس کے اہل علم نے مجموعی طور پر ان آیات و احادیث سے کیا مفہوم مراد لیا ہے؟ اس معیار پر جب ہم ان آیات و احادیث کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت واشگاف صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے کہ امت مسلمہ کے تمام معروف مفسرین و محدثین اور تمام مکاتب فکر کے نامور مجتہدین و فقہاء ان آیات و احادیث سے عورت کی حکمرانی کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہیں اور احناف' شوافع' مالکیہ' حنابلہ' ظاہریہ اور اہل تشیع کے کسی معروف محدث' مفسر' فقیہ یا مجتہد نے ان آیات و احادیث کے اس اجتماعی مفہوم سے اختلاف نہیں کیا جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ آیات و احادیث عورت کی حکمرانی کے عدم جواز پر صراحتاً" دلالت کرتی ہیں اور قرآن و سنت کی صراحت کے بعد اس مسئلہ میں اجتہاد کا کوئی دخل باقی نہیں رہ جاتا پھر اگر اس اصول سے کسی حد تک صرف نظر کرتے ہوئے آیات و احادیث کی تشریح و تعبیر اور ان سے احکام و مسائل کے استنباط و استخراج کی حد تک اجتہاد کی گنجائش تسلیم بھی کرلی جائے تو یہ اجتہاد ہو چکا ہے اور تمام مکاتب فکر کے مجتہدین ان آیات و احادیث سے یہ مسئلہ مستنبط کرچکے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی رو سے عورت کسی مسلم ریاست میں حکمرانی کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتی اور یہ کسی ایک دور کا اجتہاد نہیں چودہ سو سال کے تمام ادوار کا اجتماعی اجتہاد ہے اب اس مسئلہ پر اجتہاد کے نام پر کیا جانے والا کوئی بھی عمل اس چودہ سو سالہ اجتماعی تعبیر و تشریح اور متفقہ اجتہاد پر نظر ثانی اور اسے ری اوپن کرنے کا عمل کہلائے گا اجتہاد پر نظر ثانی اور اسے ری اوپن کرنے کی بھی کچھ شرائط ہیں اسی کے کچھ عملی تقاضے ہیں اگر ہمارے دوستوں کے پاس امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ اجتماعی تعامل کو "ری اوپن" کرنے کی کوئی بنیاد موجود ہے تو اسے سامنے لائیں اور اس سے علمی بحث کا آغاز کریں تاکہ اس بحث کا کوئی علمی فائدہ مرتب ہو اور بحث منطقی طور پر آگے بڑھ سکے ورنہ جزوی واقعات دور از کار تاویلات اور مرجوح اقوال کے سہارے ایک بات پر ضد کیے